وعظ

# الافتضاح

(اظہارِ گناہ پر ندامت)

جامع مسجد تھانہ بھون میں ۱۸/صفر ۱۳۳۲ھ کو دو گھنٹے بیٹھ کر بیان فرمایا۔ سامعین کی تعداد ایک سو پچاس تھی۔ مولانا محمد عبداللہ صاحبؒ نے قلم بند فرمایا۔

# خطبۂ ماثورہ

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ ونستغفرہٗ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یہدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشہد ان سیدنا ومولانا محمدًا عبدہٗ ورسولہٗ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ اٰلہ واصحابہ وبارک وسلم۔ اما بعد! فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم۔ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم ﴿ یٰۤاَیُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِیْمِ الَّذِیْ خَلَقَكَ ﴾(۱) الی آخر السورۃ (۲)

## انتخابِ آیات کی وجہ

ان آیات سے مجھ کو ایک فائدہ عملیہ قصداً وعلمیہ تبعاً مستنبط کرنا (۳) مقصود ہے اور وہ فائدہ اولاً بلا دلیل قلب پر وارد (۴) ہوا تھا اور ظاہری سبب اس کا ایک خاص حکایت ہے اور اس کے ورود کے ساتھ ہی بعض دوستوں کے سامنے اس کا ذکر بھی کیا تھا، میں نے چاہا کہ اور مسلمان بھی اس سے منتفع ہوں تو بہتر ہے، کہ حلوہ تنہا کھا جانا بہتر نہیں ہے اور اس سے زیادہ بہتر کون سا حلوہ ہوگا کہ دین کی کوئی بات حاصل ہو جائے اس لئے آج میں اس کو بیان کرتا ہوں ہر چند کہ وہ فائدہ قلب (۵) میں اولاً بلا دلیل آیا لیکن یہ چاہا کہ کتاب اللہ سے اگر مستنبط ہو تو اچھا ہے

(۱) اے انسان تجھ کو کس چیز نے تیرے رب کریم کے ساتھ بھول میں ڈال رکھا ہے جس نے تجھے پیدا کیا۔ (سورۃ الانفطار: ۶۔۱۹) (۲) آخر سورۃ تک آیات تلاوت کی گئیں (۳) ایک علمی اور ایک عملی فائدہ اس آیت سے ماخوذ ہے (۴) یہ فائدہ ابتداءً بغیر کسی دلیل کے میرے دل میں آیا (۵) دل میں۔

غور کیا تو اس آیت میں اس کی تصریح پائی اس لئے اس آیت کو اختیار کیا۔ یہ حاصل ہے آج کے بیان کا‘ اب سمجھنا چاہئیے کہ وہ فائدہ عملیہ جس کو میں بیان کرنا چاہتا ہوں اس کی ہر مسلمان کو ہر وقت ضرورت ہے۔ چنانچہ اس کی تعیین کے بعد اس کی ضرورت کا علم ہو جائے گا۔

## ہماری کوئی ساعت گناہ سے خالی نہیں

یہ بات سب کو معلوم ہے کہ کم وبیش انسان ہر وقت گناہ میں مبتلا رہتا ہے صغیرہ ہو یا کبیرہ‘ حتی کہ اگر کوئی ایسی ساعت (۱) ہو کہ انسان اس میں یہ سمجھے کہ گناہ نہیں کرتا تو یہ سمجھنا کہ گناہ نہیں‘ یہ خود ایک گناہ ہے۔ اگر حق تعالیٰ کے تعلقات پر نظر کی جاوے اور پھر جو تعلقات مابین المخلوق (۲) ہیں اور ان کی وجہ سے جو آپس میں ایک دوسرے پر سے حقوق ہو جاتے ہیں‘ ان کی طرف نظر کی جاوے پھر تعلقات بین الحق والخلق (۳) پر نظر ڈالی جائے اور پھر حقوق بین العباد و حقوق الخالق میں موازنہ کیا جاوے۔

## قانونِ شریعت اللہ کی بڑی رحمت ہے

تو اگر قانون شریعت نہ ہوتا اور محض عقل ہی پر دارومدار ہوتا تو محال عقلی تھا کہ انسان کسی وقت گناہ سے خالی ہو۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ دیکھو ہم اگر بیس روپیہ ماہوار کے نوکر ہوتے ہیں تو ہمارے ذہن میں اور نیز خود اس کے نزدیک بھی (۴) اس کے کتنے حقوق ہوتے ہیں ایک ادنیٰ سی خدمت باورچی گری ہے یا گھر میں کوئی ماما ہے زیادہ سے زیادہ اس کی تنخواہ چار روپیہ ماہوار ہوگی اور ترقی

(۱) کوئی ایسی گھڑی ہو (۲) مخلوق کے آپس میں ہیں (۳) اللہ تعالیٰ اور بندہ کے درمیانی تعلقات (۴) جس کے ہم نوکر ہوں۔

ہوئی تو کھانا بھی ہوگیا۔ بہرحال آٹھ روپیہ ماہوار ہوئے یعنی تقریباً چار آنہ روزانہ اس چار آنہ میں شب و روز اس کو حاضر رہنا پڑتا ہے جس کے چوبیس گھنٹہ ہوتے ہیں تو ایک پیسہ اور کچھ کوڑیوں میں ڈیڑھ گھنٹہ پڑتا اس پر یہ ناز ہے کہ بیحد زجروتوبیخ(۱) اور مواخذات (۲) اس سے کرتے ہیں اور ان مواخذات کو وہ بھی تسلیم کرتا ہے، کبھی کہتے ہیں کہ کھانا تو نے دیر میں پکایا ہے، کبھی پکا پکایا کھانا پسند نہیں آیا تو اس کو پھینک دیتے ہیں، کبھی کہتے ہیں نمک پھیکا ہے غرض اس بیچارے کی جان ایک مصیبت میں آجاتی ہے اور پھر معاوضہ اس پر اس قدر قلیل۔

## حق تعالیٰ شانہ کے لامحدود احسانات

اب حق تعالیٰ کی نعمتوں کو دیکھیئے کہ ہر وقت اور ہر ساعت میں بے انتہا نعمتیں ہیں چنانچہ ارشاد ہے: ﴿وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا﴾(۳) پس جب اس قلیل اور محدود معاوضہ میں اس قدر حقوق ہیں تو ان غیر متناہی اور غیر محدود نعمتوں کے مقابلہ دیکھ لیجئے کہ کس قدر حقوق ہوئے اور یہ بھی غور فرمالیجئے کہ ہم ان کو کتنا ادا کر رہے ہیں اور اگر کچھ ہم کرتے بھی ہیں تو وہ بھی نعمت ہے بلکہ سب سے بڑی نعمت ہے اس کے مقابلہ میں بھی کچھ ہونا چاہیئے وعلیٰ ہذا المسلسل۔ پس ثابت ہوا کہ ہم ہر وقت اور ہر وقت سراسر مقصر (۴) ہیں یہ تو ظاہری کلام ہے اور امر حقیقی یہ ہے کہ حقوق ہوتے ہیں مقابلہ میں کمالات کے یا احسانات کے، چنانچہ حکام کے جو حقوق ہیں وہ احسانات کی وجہ سے ہیں کہ وہ رعایا کی حفاظت کرتے ہیں اور محبّ (۵) جو محبوب (۶) کے حقوق اپنے ذمہ جانتا ہے کہ، رگ رگ اور ریشہ ریشہ

(۱) ڈانٹ ڈپٹ (۲) جواب طلبی (۳) سورۃ ابراہیم آیت: ۳۴ (۴) قصوروار (۵) محبت رکھنے والا (۶) جس سے محبت رکھی جائے۔

کو اس کے حقوق میں گُندھا ہوا سمجھتا ہے حتی کہ اگر وہ محبوب بھی ان حقوق کی نفی کرے تو وہ اس کو پسند نہیں کرتا، تو یہ کس شے کے حقوق ہیں اس کے ساتھ کیا احسان کیا ہے بلکہ محبوب تو اور ظلم کرتے ہیں، یہ حقوق ہیں اس کے ایک کمال کے کہ وہ جمال ہے۔ پس حقوق ہمیشہ کبھی مقابلہ میں احسان کے ہوتے ہیں اور کبھی مقابلہ میں کسی کمال کے اگر جزئیات کا تتبع (۱) کیا جاوے تو امید ہے کہ یہ کلیہ منقوص (۲) نہ ہوگا اب غور کیجئے کہ حق تعالیٰ کے اندر دونوں امر علی سبیل الکمال (۳) موجود ہیں احسانات کا بیان تو اوپر کی تقریر سے معلوم ہوا کہ وہ غیر متناہی ہیں، کمالات لیجئے کہ وہ واجب الوجود ہیں اور مستجمع (۴) ہیں تمام صفات کمال کو اور وہ کمالات بھی بوجہ وجوبِ وجود کے غیر متناہی (۵) ہیں پس احسانات غیر محدود اور کمالات بھی غیر متناہی اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہی وہ شے ہے جو حقوق کی موجب (۶) ہے پس حقوق بھی غیر متناہی ہوں گے اور انسان زماناً متناہی ہے پس متناہی حقوقِ غیر متناہی کیسے ادا کر سکتا ہے۔ پس عقلاً تو انسان سے حقوق کا ادا ہونا محال ہوا، دیکھو وہ عقل جس کی آجکل کے عقلاء پرستش کرتے ہیں تمہاری کیسی سخت دشمن نکلی کہ وہ صاف لفظوں میں فتویٰ دے رہی ہے کہ آدمی ہر وقت مجرم ہے پس اگر مدارِ کار عقل پر ہوتا تو یہ تم کو ضرور جہنم میں لے جاتی اس لئے کہ تم کسی صورت میں جرائم سے بری نہیں ہو سکتے اور یہاں سے ضرورت ثابت ہوتی ہے شریعت کی اور اس کی خوبی بھی معلوم ہوتی ہے۔

---

(۱) کو دیکھا جائے (۲) یہ قاعدہ کسی جگہ نہیں ٹوٹے گا (۳) دونوں باتیں کمال درجہ میں پائی جاتی ہیں (۴) اللہ کے کمالات ذاتی ہیں اور تمام اچھی صفات کو جمع کرنے والے ہیں (۵) پھر ان کمالات کی بھی کوئی انتہاء نہیں (۶) یہی چیز حق کو واجب کرنے والی ہے۔

## شریعت اور عقل

واللہ! اگر ہماری حس درست ہوتی تو حق تعالیٰ کی اس رحمت و منت کو سوچ سوچ کر مرجاتے کہ ہم کو شریعتِ مقدسہ کے ذریعہ سے رہبری فرمائی آپ نے عقل کا فتویٰ تو دیکھ لیا کہ وہ آپ کو ہر وقت مجرم قرار دیتی ہے اب اس کے متعلق شریعت کا حکم بھی سنئے' ارشاد ہے: ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾(۱) دیکھو کتنا بڑا تفاوت ہے اس عقل کے بارے میں کسی نے کہا ہے ؎

آزمودم عقل دور اندیش را
بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را

یعنی عقل کو تو ہم آزما چکے کہ وہ تو ہم کو ہلاک کرنے والی ہے اب آج سے ہم اپنے آپ کو دیوانہ بناتے ہیں تاکہ کوئی صورت سلامتی کی نکلے۔ فی الحقیقۃ اگر شریعتِ مقدسہ نہ ہوتی تو یہ عقل ہم کو یقیناً ہلاک کردیتی۔ پس ثابت ہوا کہ عند العقل انسان کا گناہ سے خالی رہنا محال ہے اور اگر اس کے ساتھ ایک مقدمہ ﴿خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا﴾(۲) ملا لیا جاوے تو اس محال میں اور زیادہ قوت ہوجائے گی۔

## قویٰ بہیمیہ اور قویٰ ملکیہ میں کشاکشی

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ انسان کے اندر حق تعالیٰ نے قویٰ متضادہ (۳) رکھے ہیں قویٰ بہیمیہ اور قویٰ ملکیہ سے اس کو مرکب فرمایا ہے جس کی طرف حدیث شریف میں ''لِمَّةٌ مِّنَ الْمَلَكِ وَلِمَّةٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ'' سے

(۱) اللہ تعالیٰ کسی نفس پر اس کی طاقت سے زائد بوجھ نہیں ڈالتے سورۃ البقرۃ آیت: ۲۸۶ (۲) ۲ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے (۳) متضاد قوتیں۔

اشارہ ہے۔ ان قویٰ میں باہم کشاکشی ہوتی ہے، قویٰ بہیمیہ (۱) اس کو اپنی طرف کھینچتے ہیں اور قویٰ ملکیہ (۲) اپنی طرف، سخت منازعۃ (۳) ہوتی ہے۔ عارفین اسی کو دیکھ کر لرزاں (۴) وترساں ہیں کہ کبھی کچھ حالت ہوتی ہے اور کبھی کچھ ؎

گہ رشک برد فرشتہ بر پاکی ما　　گہ خندہ زند دیوز ناپاکی ما
ایمان چو سلامت بلب گور بریم　　احسنت بریں چستی و چالاکی ما (۵)

حقیقت میں ہماری حالت ایسی ہے جیسے ایک گھڑی ہوتی ہے کہ اگر اس کے پرزے اور بال کمانی سب درست ہوں تو وہ ٹھیک چلتی ہے ورنہ کبھی سست ہوجاتی ہے، کبھی تیز۔

## یزید پر لعنت کرنے کا حکم

ایک شخص نے مجھ سے پوچھا تھا یزید پر لعنت کرنا کیسا ہے؟ میں نے کہا کہ اگر وہ مستحقِ لعنت بھی ہو تب بھی کلام اس میں ہے کہ تم کو لعنت کرنا مناسب ہے یا نہیں، سو تم کو یزید پر لعنت کرنا اس وقت سزاوار ہے جبکہ تم کو یہ معلوم ہو کہ میں یزید سے بہتر ہو کر مروں گا، ذرا اپنے گریبان میں منہ ڈال کر تو دیکھو کہ کس حالت میں ہو اور کیا کیا خرابیاں اپنے اندر بھری ہوئی ہیں پھر کس منہ سے یزید پر لعنت کرتے ہو ہاں اگر بایزید ہو کر مرو تو یزید پر لعنت کرو جب با ایمان یہاں سے چلے جاؤ گے اور قبر میں کچھ کام تو ہوگا نہیں، بے فکری سے یزید پر لعنت کرتے رہنا اور ابھی تک تو

---

(۱) حیوانات سے منسوب قوتیں (۲) فرشتوں سے منسوب قوتیں (۳) لڑائی جھگڑا (۴) کانپتے اور ڈرتے رہنا۔ (۵) کبھی تو فرشتہ میری پاک دامانی پر رشک کرتا ہے اور کبھی شیطان اور دیو بھی میری ناپاکی پر ہنستا ہے۔ اگر ایمان قبر تک سلامت چلا جائے تو پھر میری یہ چستی اور چالاکی خوب ہے۔

یہی خبر نہیں کہ تم کس حالت میں مرو گے۔ ممکن ہے یزید سے بھی بدتر حالت میں ہو کر مرو۔ یہ جواب سن کر وہ شخص خاموش ہو گئے اور کہنے لگے کی میری تسلی ہو گئی۔ غرض انسان ہر وقت کشاکشی میں رہتا ہے ؂

گہ چنیں بنماید و گہ ضد ایں
خبر کہ حیرانی نباشد کار دیں (۱)

گویا یہ انسان ایک اکھاڑہ ہے کہ اس میں دو پہلوان کشتی کرتے ہیں کبھی یہ غالب ہوتا ہے کبھی وہ۔

## شیطان، نفس اور روح کی کشاکشی

اسی واسطے میں کہتا ہوں کہ تم کو بلقان اور طرابلس کی لڑائی کی کیا فکر ہے تمہارے اندر خود ایک بلقان اور ترک یعنی شیطان اور نفس، روح موجود ہیں جو باہم لڑتے رہتے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں ؂

اے برادر عقل یک دم باخود آر
دمبدم در تو خزاں است و بہار

''اے بھائی! عقل کو اپنے پاس رکھ، ہر گھڑی تیرے اندر بہار بھی ہے خزاں بھی''

ع موسیٰ و فرعون در ہستی تُست (۲)

مطلب یہ نہیں ہے کہ موسیٰ اور فرعون خارج میں نہیں تھے بلکہ مطلب یہ ہے

(۱) کبھی ایک حالت طاری ہوتی ہے کبھی اس کی ضد (۲) موسیٰ اور فرعون خود تیرے اندر موجود ہیں۔ یعنی خیر و شر کی دو قوتیں۔

کہ تم خارجی فرعون و موسٰی کے قصے سے عبرت حاصل کرو اور اس سے سمجھو اور نتیجہ نکالو کہ تمہارے اندر بھی ایک چیز موسٰی اور فرعون کے مشابہ ہے ایسا نہ ہو کہ تم تو ان ظاہری فرعون و موسیٰ میں لگے رہو اور تمہارے اندر کا فرعون یعنی نفس تمہارے موسٰی یعنی روح پر غالب آجائے اور تم اس بہار و خزاں میں مشغول ہوتے ہو۔

## اصلی آثار

ارے تمہارے اندر بڑی بھاری بہار اور خزاں ہے اس کو دیکھو جیسے مولانا نے حکایت لکھی ہے ؎

صوفے درباغ از بہر کشاد
صوفیانہ روئے بر زانو نہاد

''یعنی ایک صوفی دوستوں کے ساتھ باغ میں پہنچے اور وہاں مراقب ہو کر بیٹھ گئے''

ایک دوست نے کہا: ﴿فَانْظُرْ اِلٰی اٰثَارِ رَحْمَتِ اللّٰہِ کَیْفَ یُحْیِی الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِہَا﴾(۱) صوفی نے کہا کہ اصل ان آثار کی باطن میں ہے اسی آیت سے وہ زیادہ نظر کے قابل ہے ؎

ستم است اگر ہوست کشد کہ بسیر سرو سمن درآ
تو زغنچہ کم ندمیدہ درِ دل کشا بچمن درآ (۲)

''تمہارے اندر خود چمن ہے اس کا پھاٹک تمہارے ہاتھ میں ہے جب جی چاہے سیر کرلو''

(۱) پس اللہ کی رحمت کے آثار دیکھو کہ وہ زمین کو مردہ ہونے کے بعد کس طرح زندہ کرتا ہے سورۃ الروم آیت:۵۰
(۲) افسوس ہے اگر یہ ہوس ہو کہ چمن کی سیر کو جاؤں تمہارے دل میں ایک چمن آباد ہے دل کا دروازہ کھولو اور چمن میں آجاؤ۔

غرض تمہارے اندر خود ایک باغ ہے اس میں آثار رحمت کے دیکھو اور یہ باغ تو آثار الآثار ہیں اصلی آثار قلب میں ہیں۔

## حکایت حضرت مولانا رفیع الدین صاحبؒ

ہاں جس کی آنکھیں ادھر کی کھلی ہوئی نہ ہوں وہ ادھر کی بھی کیوں بند کرے ان ہی آنکھوں آثارِ قدرت کو عبرت کی نظر سے دیکھے۔ حضرت مولانا رفیع الدین صاحب مہتمم مدرسہ دیوبند ایک مرتبہ سرہند حضرت مجدد صاحبؒ کے مزار پر تشریف لے گئے تھے طلبہ بھی ساتھ تھے میں بھی تھا مولوی صاحب مراقب ہوکر آنکھیں بند کر کے بیٹھے، میں نے کہا کہ میاں باطن کی آنکھیں تو پھوٹی ہوئی ہیں ہی، ظاہر کی بھی کیوں پھوڑتے ہو ادھر کچھ نظر آوے تو ادھر کی آنکھیں بند کریں ورنہ خوامخواہ دیکھنے والوں کو دھوکہ ہوتا ہے کہ شاید یہ صاحبِ کشف ہوں۔

## ذکرِ جہر میں شبہ ریا کا جواب

بقول حضرت مولانا گنگوہیؒ کے کہ ایک شخص کو حضرت نے ذکرِ جہر کی تعلیم کی اس نے کہا کہ حضرت اس میں تو ریا ہوگی کوئی ذکرِ خفی یا شغل تعلیم فرمادیجئے حضرت نے فرمایا کہ اس میں زیادہ ریا ہے اس لئے کہ اگر زبان سے پکار کر اللہ اللہ کرو گے تو ہر کوئی جانے گا کہ اللہ اللہ کر رہا ہے کوئی نئی بات نہیں ہے اور جب گردن جھکا کر چپکے مراقب ہوکر بیٹھو گے تو دیکھنے والے سمجھیں گے کہ خدا جانے شاہ صاحب یہاں بیٹھے بیٹھے کہاں کہاں کی سیر کر رہے ہیں۔

## انسان کے اندر ہر شئے کا نمونہ

غرض انسان کے اندر ہر شے کا نمونہ ہے، موسٰی وفرعون بھی ہیں اور ان

میں ہمیشہ جنگ رہتی ہے اسی واسطے ارشاد فرمایا ہے: ﴿لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِیۡ کَبَدٍ﴾(۱) ''ہم نے انسان کو مشقت میں پیدا کیا ہے'' اور اسی وجہ سے یہ انسان ملائکہ سے بڑھ جاتا ہے اس لئے کہ ان میں منازعت(۲) ہی نہیں ہے جو مانعِ اطاعت (۳) ہو اور اس میں ہر وقت منازعت رہتی ہے پس اس کی اطاعت بڑا کمال ہے پس اس تقریر سے واضح ہو گیا ہوگا کہ انسان نہایت ضعیف ہے اس ضعف کی وجہ سے یہ اکثر مغلوب ہو جاتا ہے اور نفس وشیطان کا اس پر غلبہ ہو جاتا ہے اور گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے کبھی آنکھ سے گناہ ہو گیا کبھی ہاتھ سے، کبھی زبان سے، اور دل کہ جس پر مدار ہے وہ تو ہر وقت ہی کسی نہ کسی گناہ میں مبتلا رہتا ہے۔

## خود کو مقدّس سمجھنا دھوکہ ہے

اسی واسطے امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ اے شخص تو جو دھوکہ میں ہے کہ لوگ جو مجھ کو مقدس جانتے ہیں تو میں ضرور کچھ ہوں گا تو ذرا اپنے قلب کو تو دیکھ کہ اس میں کس قدر خرافات بھری ہوئی ہے۔ واقعی انسان اگر اپنے اندر غور کر کے دیکھے تو اس کو صاف معلوم ہو کہ ہم ہر وقت کسی نہ کسی معصیت میں ہیں غرض یہ قضیہ (۴) بالکل بدیہی (۵) ہے کہ انسان ہر وقت مبتلائے معصیت ہے اگر حکام ظاہری کی طرح حق تعالیٰ بھی ہمارے ساتھ قانونی برتاؤ فرماتے تو کوئی صورت ہماری نجات کی نہ تھی لیکن کیا رحمت ہے کہ ہمارے ساتھ ضابطہ کا برتاؤ نہیں کیا گیا بلکہ یہ ارشاد ہے ''کُلُّکُمۡ خَطَّاءُوۡنَ وَخَیۡرُ الۡخَطَّائِیۡنَ التَّوَّابُوۡنَ '' یعنی اے لوگو! تم سب خطا کار ہو اور بہترین خطا کار توبہ کرنے والے ہیں۔ بہرحال یہ حق تعالیٰ کا فضل ہے کہ گناہ توبہ سے معاف ہو جاتے ہیں۔

(۱) سورۃ البلد: ۴ (۲) مخالفت (۳) جو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری سے روکے (۴) کلیہ (۵) واضح۔

## گناہوں سے بچنے کے اہتمام کی ضرورت

لیکن اس سے کوئی ذہین یہ نہ سمجھے کہ جب گناہوں سے خالی رہنا محال ہے تو ہم گناہ کیا کریں اس لئے کہ اول تو عقل سلیم خود بتلا رہی ہے کہ گناہ سے خالی نہ رہنا اس بات کو مقتضی (۱) نہیں ہے کہ ہم قصداً اور گناہ بھی کیا کریں یہ تو اور زیادہ جرم کو بڑھانا ہے۔

دوسرے یہ کہ حق تعالیٰ کا ارشاد جگہ جگہ تقویٰ کی تعلیم ہے اور تقویٰ کے معنی گناہ سے بچنا ہے۔ پس عقلاً و نقلاً اس کا اہتمام ضروری ٹھہرا کہ گناہ سے بچیں۔ پس حاصل تمام تر تقریر کا یہ ٹھہرا کہ انسان سے ہر وقت گناہ ہوتا ہے۔ اور اس کے ذمہ حتی الوسع (۲) اس سے بچنے کا اہتمام ضروری ہے۔

## گناہوں سے بچنے کا طریق

اب رہی یہ بات کہ اس سے بچنے کا کیا طریق ہے سو وہ کرنے کی بات ہے کہنے کی نہیں، بہت سے امور اس قسم کے ہیں کہ وہ لکھنے اور کہنے سے سمجھ میں نہیں آتے عمل کرنے سے حاصل ہوتے ہیں۔ دیکھو اگر کسی کو کتاب خوان نعمت جس میں قسم قسم کے کھانے پکانے کی ترکیبیں لکھی ہیں حفظ ہو مگر پکائی نہیں تو اس سے اُس کے منہ میں وہ کھانے نہیں آئیں گے، اس کے لئے تو یہ ضروری ہے کہ تمام سامان جمع کرو اور مشقت اٹھا کر اس کو اس کی ترکیب کے موافق پکاؤ اس وقت مزہ آئے گا۔ پس جو بات کرنے کی ہے اس کے نرے جاننے سے کچھ نہیں ہوتا۔

(۱) تقاضا نہیں کرتی (۲) جہاں تک ممکن ہو۔

## حقیقتِ تصوّف

ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے اگر کوئی طالب علم زیادہ تقریر کرتا تو فرمادیتے کہ یہ کام کرنے کے ہیں، تقریر سے یہ شبہات حل نہ ہوں گے۔ اسی طرح مشائخ نے جب دیکھا کہ گناہ سے بچنا ضروری ہے، پس اس کے طریقے قرآن و حدیث سے سمجھ کر انہوں نے لکھ دیئے، جن پر عمل کرنے سے مقصود حاصل ہوتا ہے اور تصوف اسی کا نام ہے نرے عملی مسائل مثلاً وحدۃ الوجود، وحدۃ الشہود اور تنزلاتِ ستّہ کے جاننے سے کچھ نہیں ہوتا۔ اب اگر کوئی ان مسائل کو یاد کر کے مجلس کو گرم کرے تو اس سے وہ صوفی نہ بنے گا۔ شیخ فرماتے ہیں ؎

قدم باید اندر طریقت نہ دم     کہ اصلے ندارد دمے بے قدم
کارکن کار بگذار از گفتار     کاندریں راہ کار دارد کار

''طریقت میں قدم رکھنا (عمل کرنا چاہیے) اس لئے کہ بغیر قدم رکھے (عمل کئے) دعویٰ کی کچھ اصل نہیں عمل کرو دعویٰ کو ترک کرو اس طریق میں عمل اور کام ہی کی ضرورت ہے''

کام کرنا چاہئیے نری باتوں سے کیا ہوتا ہے لیکن لوگوں کو ان باتوں کے کرنے اور سننے کا شوق ہے اس لئے کہ اس میں مزہ ہے۔ میں نے ہندوؤں تک کو کہتے سنا ہے کہ مثنوی شریف میں بڑا لطف آتا ہے۔ پس اگر مدار باتوں ہی پر ہے تو ہندو بھی صوفی بن جائیں گے۔ یاد رکھو تصوف یہ نہیں۔ تصوف کی تعریف ہے: ''تعمیر الظاہر والباطن'' اور یہ تعمیر ہوتی ہے کام کرنے سے اور وہ نفس پر نہایت گراں ہے لیکن نفع ہمیشہ اسی شے سے ہوتا ہے جس میں نفس پر گرانی ہو، دیکھو

غالب اور ذوق کے کلام میں گو مزہ آتا ہے لیکن اس سے کوئی نفع نہیں۔ اور حکیم محمود خاں صاحب نے جو نسخہ لکھ کر دیا ہے اس میں کچھ بھی مزہ نہیں لیکن دونوں میں فرق جب معلوم ہوگا کہ کوئی مریض ہو اور اس کو اشعار بھی سنائے جاویں اور وہ نسخہ پلایا جاوے اشعار سنانے سے دل تو اس کا کچھ بہل جاوے گا لیکن اصل مرض کو کچھ بھی نافع نہ ہوگا اور نسخہ پلانے سے تمام رطوبات فضلیہ اعماق (۱) بدن سے نکلیں گی اور اس میں اس کو تکلیف سخت ہوگی لیکن نتیجہ کیا ہوگا کہ دولتِ صحت سے مالا مال ہو جائے گا۔

## پختگی مدّتوں کے بعد حاصل ہوتی ہے

اسی طرح معالجہ باطنی ہے کہ وہ لوہے کے چنے چبانا ہیں، تکبر نکالو تواضع پیدا کرو، حرص نکالو بجائے اس کے قناعت پیدا کرو، حبِّ جاہ دور کرو ذلّت و خواری اپنے پیش نظر کرو، مدتوں کے بعد پختگی آتی ہے ۔

صوفی نشود صافی تا درنکشند جامے
بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے

''صوفی کے دل کی صفائی اس وقت تک نہیں ہوتی جب تک دروازہ نہ کھٹکھٹائے بہت سے سفر کرنے چاہئیں تا کہ کچا پن جاتا رہے''

اگر علم ہی مقصود ہوتا تو بسیار سفر کی کچھ بھی ضرورت نہیں اس لئے کہ چند مسائل یاد کرے بس قصہ ختم ہوا بسیار سفر کی ضرورت تو عمل ہی کے اندر ہے کہ ایک شخص چاہتا ہے کہ میں عمل کروں چنانچہ عمل کرتا بھی ہے لیکن بعض وقت طبع غالب ہو جاتی ہے اور قوئ ملکیہ اور قوئ بہیمیہ میں منازعت (۲) ہوتی ہے اس وقت ایسی

(۱) تمام فاسد مادے جسم کے اندر سے نکل جائیں گے (۲) ملکی قوتوں اور حیوانی قوتوں میں جھگڑا ہوتا ہے۔

کشمکش میں ہوتا ہے کہ جس پر گذرے وہی جانتا ہے۔ بعض دفعہ تو تیلی کے بیل کی طرح کہ جہاں تھا وہاں ہی اپنے کو دیکھتا ہے لیکن طالب صادق کو چاہئیے کہ ایسے وقت ہمت نہ ہارے اور عمل کو نہ چھوڑے برابر کام کرتا رہے۔ مولانا اسی مضمون کو فرماتے ہیں ؎

اندریں رہ می تراش و میخراش　　تادم آخر دمے فارغ مباش
تا دم آخر دمے آخر بود　　کہ عنایت با تو صاحبِ سربود

''اس راستہ میں آخر دم تک تراش وخراش (محنت ومشقت) ہے فارغ مت رہ۔ تاکہ میرا آخری سانس آخر وقت تک شاید اللہ کی مہربانی سے کارآمد ہوجائے''۔

یعنی کہیں ٹھہرو مت، برابر چلتے رہو، کوئی نہ کوئی وقت ایسا ضرور ہوگا کہ حق تعالیٰ کی عنایت تم پر ہوجاوے گی۔

## نِرا علم کافی نہیں

مشائخ نے ایسے ایسے معالجات اور تدبیریں لکھی ہیں کہ جس سے کتابیں مدون ہوگئی ہیں اگر نرا علم کافی ہوتا تو اس تطویل کی کیا ضرورت تھی آجکل لوگوں کی یہ کیفیت ہے کہ رنگین باتوں اور قصوں اور حکایتوں کو بہت پسند کرتے ہیں چنانچہ جس وعظ میں ایسے مضامین نہ ہوں اس وعظ کو پھیکا کہتے ہیں اور جو واعظ حکایتیں اور قصے بیان کرے اس کا وعظ بہت اچھا شمار کیا جاتا ہے۔

## وعظ کا اصل مقصود

حالانکہ حکایات اور قصص بذاتہا مقصود نہیں ہیں ان سے عبرت و نصیحت حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے جیسے مولانا نے ایک قصہ مثنوی شریف کے شروع میں بیان کیا ہے اس کی نسبت فرماتے ہیں ۔

بشنوید اے دوستاں ایں داستاں خود حقیقت نقد حال ما ست آں
نقد حال خویش را گر پے بریم ہم ز دنیا ہم ز عقبیٰ برخوریم

''اے دوستو! میری داستان سنو' حقیقتِ حال میرے حال کی خود گواہ ہے اگر اپنی موجودہ حالت پر غور وفکر کرتے رہوتو دونوں جہاں میں کافی نفع ہو''

دیکھو ان اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل مقصود حکایت سے اپنی حالت کی اصلاح ہے لیکن ہمارے بھائیوں نے آجکل ہر شئے کا خلاصہ نکالا ہے' چنانچہ وعظ کا خلاصہ حکایات اور شعر و اشعار نکالا ہے' حضرت کا مقصود ہے نری حکایات اور اشعار سے کیا ہوتا ہے ہاں اگر کوئی برجستہ شعر یا تمثیل کے طور پر حکایت آجاوے تو مضائقہ نہیں لیکن پھیر پھار کر تکلف کر کے کوئی حکایت یا شعر لانا یہ برا ہے' جیسے کسی واعظ نے '' قُلْ هُوَاللّٰه'' شریف میں امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت بیان کی تھی' جوڑ یہ لگایا تھا کہ یہ سورۃ اس نبی پر نازل ہوئی جن کے نواسہ میدانِ کربلا میں شہید ہوئے ہیں اور یہ کہہ کر تمام قصہ شہادت کا انہوں نے وعظ میں بیان کیا تو جناب ایسی حکایتیں اور بیان کرنے سے کیا نفع ہے' حاصل یہ ہے کہ جس طرح کتبِ طب میں

تمام امراض کے معالجات مدون (۱) کئے گئے ہیں اسی طرح مشائخ اور طبیبانِ باطن نے امراض باطنیہ کے معالجات اور تربیتِ باطن کے طرق (۲) مدون کئے ہیں چنانچہ ان کتب میں سے ''قوت القلوب'' اور ''رسالہ مکیہ'' وغیرہ ہے۔

## گناہ چھوڑنے کے طریقے

اور ان طرق (۳) کی تدوین (۴) میں بزرگوں نے ہمیشہ ان چیزوں کا اہتمام کیا ہے جو کار آمد ہیں سو چونکہ ان مقاصد میں ایک مقصود بلکہ اعظم المقاصد (۵) گناہ سے بچنا بھی ہے ان حضرات نے اس کے لئے بھی طریقے لکھے ہیں مثلاً ایک طریقہ یہ لکھا ہے کہ ایک وقت مقرر کر کے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو سوچا کرو چند روز میں ایک ندامت طاری ہوگی اور یہ مضمون دل میں وارد ہوگا کہ اللہ اکبر مجھ پر ہر دم بے شمار نعمتیں ہیں اور میری یہ حالت کہ ایسے منعم (۶) کی نافرمانی میں مبتلا ہوں اور اثر اس کا یہ ہوگا کہ گناہ چھوٹ جائیں گے ایک طریقہ لکھا ہے کہ ﴿اَلَمْ یَعْلَم بِاَنَّ اللّٰهَ یَرَیٰ﴾ (۷) کا مراقبہ کیا جاوے علاوہ اس کے اور بھی مراقبات وطرق لکھے ہیں کہ کسی سے حیا کا غلبہ ہو جاتا ہے کسی سے اپنا ہیچ ہونا ذہن نشین ہوتا ہے کہ وہ اس کے لئے رہبر بن جاتا ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ طرق محصور ہوں (۸) ممکن ہے کہ علاوہ ان کے اور طریقہ بھی اس مقصود کے لئے ہو۔ پس اگر کسی اللہ کے بندہ کے ذہن میں اللہ تعالیٰ کے سمجھانے سے کوئی سہل طریقہ آ جاوے تو کیا وجہ ہے کہ اس طریقہ کو بھی اس فہرست میں داخل نہ کیا جاوے خصوصاً جبکہ اس طریقہ کا اس زمانہ میں انفع (۹) ہونا ثابت ہو۔ اب میں عرض کرتا ہوں کہ میرے

(۱) تمام بیماریوں کے علاج لکھے گئے (۲) طریقے تحریر کردیے ہیں (۳) طریقے (۴) مرتب کرنا (۵) سب سے بڑا نقصان (۶) نعمت عطا کرنے والا (۷) کیا وہ نہیں جانتا کہ بیشک اللہ دیکھ رہا ہے (۸) کہ صرف وہی طریقے ہوں (۹) زیادہ مفید ہونا۔

قلب میں اسی قسم کا ایک طریقہ حق تعالیٰ نے وارد کیا ہے جس کو میں مفصلاً عرض کروں گا۔ اس تمام تر تقریر سے تعیین اجمالی تو مقصود کی ہوگئی۔(۱)

## خصوصیت اور تعلق زیادہ ہونے کا اثر

اب تفصیل سے پہلے ایک واقعہ بیان کرتا ہوں اس سے ہی وہ مضمون میرے قلب میں وارد ہوا ہے اور وہ واقعہ اگرچہ ایک سرسری قصہ ہے لیکن اگر اللہ تعالیٰ کسی چھوٹی بات سے بڑی بات اپنے بندوں کو سمجھا دیں تو کچھ عجیب نہیں اُن کی قدرت ایسی ہے کہ چھوٹے ظرف میں بڑی شئے سما دیتے ہیں جیسے ماں کے پیٹ میں بچہ ہوتا ہے۔ پس جب مظروف میں عظمت ہو تو تم کو مظروف ہی پر نظر رکھنا چاہئیے ظرف سے کیا لینا ہے وہ قصہ یہ ہے کہ ہم نے اپنے مدرسہ میں بچوں کی نگرانی کا یہ قانون مقرر کیا ہے کہ ایک تنخواہ دار نگران ان پر مسلط کر دیا اور اس کو یہ ہدایت کی ہے کہ تم ان بچوں سے مواخذہ کسی بات کا نہ کرو بلکہ جو امر (۲) خلاف قاعدہ یہ کریں اس کو بقیدِ تاریخ و وقت و مکان لکھ لیا کرو۔ ایک نقشہ ان کو دے دیا کہ اس کی خانہ پوری کر دیا کرو اور ایک وقت معین پر ہم کو معائنہ کرا دیا کرو اس قاعدہ کے اجراء سے بچوں پر بہت اچھا اثر ہوا اور بہت حصہ ان کی شرارت کا کم ہو گیا اور اس کے ساتھ ہی ہمارے ساتھ جو اِن بچوں کو تعلق و خصوصیت تھی اس میں بھی کوئی فرق نہیں آیا۔

اور اس قانون سے پہلے باوجود اس کے کہ ہم کو ان کی شرارتوں پر اطلاع ہوتی تھی اور مواخذات (۳) بھی ہوتے تھے لیکن باز نہ آتے تھے اور وہ تعلق و خصوصیت زجر (۴) کے اثر کو کافی نہیں ہونے دیتا تھا۔ اور اس قانون کے بعد رک

---

(۱) اجمالاً تو مقصود متعین ہو گیا (۲) بات (۳) ڈانٹ ڈپٹ (۴) تنبیہ کے اثر کو۔

گئے اور نیز تعلق میں بھی کوئی کمی نہیں آئی تو اس کا راز یہ سمجھ میں آیا کہ جس کے ساتھ خصوصیت اور تعلق زیادہ ہوتا ہے اس کے مطلع ہونے سے آدمی اس قدر نہیں شرماتا جس قدر غیر کے اطلاع ہونے سے حیا آتی ہے۔ دیکھو بعض اوقات باپ سے شرم نہیں آتی اور نوکر سے آتی ہے۔

## ایک عجیب وغریب علم

غرض اس قصہ سے دو باتیں سمجھ میں آئیں ایک تو یہ کہ درمیانی واسطہ ہونے سے شرم زیادہ بڑھ گئی اس لئے شرارت کم ہوگئی' دوسرے یہ کہ ہم سے جو اِن کے تعلقات ہیں جرائم کے ارتکاب کو انہوں نے ان تعلقات کے تکدر(۱) کا موجب نہیں جانا اسی واسطے وہ تعلق زاجر(۲) نہ ہوا ورنہ ضرور باز رہتے' اس واقعہ سے معاً قلب میں ایک علم عجیب وغریب وارد ہوا' وہ یہ ہے کہ یہ تو سب کو معلوم ہے کہ حق تعالیٰ عالم الغیب والشہادۃ اور قادر مطلق ہیں پھر باوجود اس کے جو اعمال لکھنے کے لئے یا عذاب کے لئے جو فرشتے مقرر فرمائے اس کی کیا وجہ ہے؟ بظاہر تو یہ امر خلافِ عقل معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ لکھنے کی تو جب ضرورت ہوتی جب کہ خود علم نہ ہوتا اور نیز دوسروں کے واسطہ سے سزا دینے کی جب حاجت تھی جب کہ بالذّات قدرت نہ ہوتی اور وہاں دونوں امر مفقود ہیں پھر اس کی کیا ضرورت ہے؟ چنانچہ معتزلہ نے تو اسی بنا پر کتابتِ اعمال کا صاف انکار ہی کر دیا ہے اور اہلِ سنت کی اس مسئلہ میں تحمیق(۳) کی ہے اور جن نصوص میں کتابت یا وزنِ اعمال کی خبر دی گئی ہے ان کا یا تو انکار کیا ہے اور یا ان میں تاویل کی ہے۔

---

(۱) خراب ہونا (۲) منع کرنے والا (۳) اہل سنت کو احمق کہا ہے۔

## علّت سے متعلق ہمارا مذہب

اہلِ سنت کی طرف سے حقیقی جواب تو یہ ہے کہ نصوص (۱) میں جب وارد ہوا ہے تو حق ہے گو ہم کو اس کی علّت معلوم نہیں اور نہ معلوم کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمارا تو یہ مذہب ہے ۔

زبان تازہ کردن باقرارِ تو
نے انگیختن علّت از کارِ تو! (۲)

''آپ کا ذکر کرنا چاہیئے نہ آپ کے کاموں کی علّت''

## بندوں کے ناز کا سبب

باقی حکمت کے مرتبہ میں اس قصہ سے جو بات حق تعالیٰ نے میرے قلب پر وارد فرمائی وہ یہ ہے کہ بندوں کو اپنے مالک تعالیٰ شانہٗ سے بے نہایت تعلق و خصوصیت ہے کہ اس قدر کسی سے نہیں ہے اور نہ ہوسکتا ہے اور یہ خصوصیت اس درجہ پر ہے کہ اس کی وجہ سے بندوں کو ایک ناز ہو گیا ہے۔

## محبت کا مدار دیکھنے پر نہیں

ایک شخص نے مجھ سے پوچھا تھا کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ ہم کو کیسے محبت ہوگئی ہم نے اُن کو دیکھا تو ہے نہیں۔ میں نے کہا کہ محبت کا مدار دیکھنے پر نہیں ہے۔ دیکھو اپنی جان سے کیسی محبت ہے بلکہ حق تعالیٰ سے جان سے بھی زیادہ تعلق ہے۔

---

(۱) قرآن وحدیث میں جب آیا ہے (۲) آپ کے ذکر سے اپنی زبان کو تروتازہ رکھتا ہوں مجھے ان احکام کی علت سے کوئی سروکار نہیں۔

اس لئے کہ حق تعالیٰ کے ساتھ تعلق اوّل ہوا ہے اور اس تعلق کی ہی وجہ سے اپنی جان سے تعلق ہوا ''لِاَنَّ بَیْنَہُمَا عَلاَقَۃُ الْعِلِیَّۃِ ''(۱) لیکن ہم کو غایت تعلق و قرب کی وجہ سے اس کا احساس نہیں ہے اس کی مثال محسوسات میں موجود ہے مگر اس سے پہلے اوّل یہ معلوم کرنا چاہئے کہ یہ فلسفی مسئلہ ہے اور نیز مشاہدہ ہے انسان کی قوت باصرہ ادراک مبصرات (۲) میں مستقل نہیں ہے بلکہ بواسطہ کسی خارجی نور کے ادراک (۳) کرتی ہے خواہ وہ نور شمس کا ہو یا چراغ کا یا نجوم کا اسی واسطے تاریک مکان میں خواہ کتنا ہی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھیں کچھ بھی نظر نہیں آتا پس اولاً ہم کو ادراک اس نور کا ہوتا ہے اور اس کے واسطے سے دوسری اشیاء ہم کو نظر آتی ہیں۔
اب سمجھئے کہ ہم نے مثلاً دیوار کو دیکھا تو ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ اوّل ہم نے دیوار کو دیکھا ہے اور دیوار کے سوا کوئی شئے ہم کو نظر نہیں آتی حالانکہ اوّل ادراک ضوءِ شمس (۴) کا ہوا اور اس کے واسطہ سے دیوار نظر آئی مگر ہم اس نور کے غایتِ قرب کی وجہ سے اس کو مُدرکِ اوّل نہیں جانتے' مرئیٔ اول (۵) دیوار ہی کو جانتے ہیں اور جو اصلی علّت رؤیت کی تھی وہ غایت قرب کی وجہ سے مدرک نہیں ہوتی' لیکن وہ ضیا یہ کہہ سکتی ہے ''اَنَا اَقْرَبُ اِلَیْکَ مِنَ الْجِدَارِ '' یعنی اے دیکھنے والے میں تجھ سے دیوار کی نسبت قریب تر ہوں۔ پس معلوم ہوا کہ غایت قرب بھی بعض اوقات مانع ادراک (۶) ہو جاتا ہے۔ پس ایسا ہی تعلق و قرب ہم کو ذات باری تعالیٰ سے ہے کہ وہ اس قدر قوی ہے کہ غایتِ قوت کی وجہ سے اس کا ہم کو ادراک نہیں ہوتا اور تمام اشیاء کے ادراک کا وہ واسطہ ہے۔

---

(۱) اس لئے کہ ان دونوں میں علیت ہونے کا تعلق ہے (۲) انسان کی دیکھنے کی قوت دیکھی ہوئی چیزوں کے ادراک میں مستقل نہیں (۳) بلکہ آنکھ کے دیکھنے کے لئے خارج میں ایک نور کا پایا جانا ضروری ہے (۴) سورج کی روشنی (۵) اول دکھائی دینے والی چیز دیوار ہی کو سمجھتے ہیں (۶) بہت زیادہ قرب بھی بعض دفعہ رکاوٹ بن جاتا ہے۔

## حق تعالیٰ شانہٗ کا غایتِ قرب

اسی واسطے ارشاد ہے: ﴿نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾(۱)
''یعنی ہم انسان کے اس کی رگِ جان سے زیادہ قریب تر ہیں''
اور فرماتے ہیں: ﴿وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ﴾(۲)
''یعنی ہم تمہارے تم سے بھی زیادہ قریب ہیں لیکن تم بصیرت نہیں رکھتے''

غرض حق تعالیٰ کے ساتھ جان سے بھی زیادہ محبت ہے اور یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ محبت اگر ہوسکتی ہے تو وہ خدا ہی کے ساتھ ہے۔ اور کسی شے کے ساتھ محبت نہیں ہوسکتی۔ پس اس غایتِ قرب کا اثر یہ ہوتا ہے کہ بندوں کو اپنے خالق تعالیٰ شانہٗ پر ایک قسم کا ناز ہے جیسے بچہ کو غایتِ تعلق کی وجہ سے ماں پر ناز ہوتا ہے کہ شرم کم ہوجاتی ہے پس فی نفسہٖ تو اس سے بڑھ کر کوئی طریقہ گناہ سے بچنے کا نہ تھا کہ بندہ اپنے خالق سے شرما کر گناہ کو چھوڑ دیتا لیکن ناز نے اس شرم کا اثر کم کر دیا اور نیز ہمارا قصورِ فہم بھی عارض (۳) ہوگیا اس لئے یہ طریقہ کافی نہ ہوا اور یہ قرب حاجب عن العصیان (۴) نہ ہوا۔ اس لئے ضرورت ہوئی ایسے طریقہ کی کہ جو اس کا تدارک و تلافی کر سکے۔ (۵)

## اعمال لکھنے کے لئے فرشتوں کے مقرر کرنے کا سبب

اور وہ طریقہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے ہمارے اعمال کی کتابت کے لئے فرشتے مقرر فرمادیے اور پھر ہم کو اس کی خبر کردی گویا مطلب یہ ہے کہ تمہارے اعمال کی صرف ہم کو ہی خبر نہیں بلکہ فرشتوں کو بھی خبر ہے۔

(۱) سورۃ ق: ۱۶ (۲) سورۃ الواقعۃ: ۸۵ (۳) ہماری کم عقلی بھی رکاوٹ بنی (۴) گناہوں سے روکنے والا قرب (۵) جو اس کا سد باب کرے اور اس کمی کو پورا کر سکے۔

چنانچہ ارشاد ہے: ﴿اِنَّ عَلَیْکُمْ لَحٰفِظِیْنَ کِرَامًا کَاتِبِیْنَ یَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴾(۱) پس یہ معلوم ہوکر ہمارے افعال کی ملائکہ کو بھی خبر ہے نہایت غیرت اور شرم آوے گی اور اس کا استحضار اگر تام ہو جائے (۲) تو بالیقین گناہ سے احتراز ہو جائے اسی طرح گناہ پر سزا خود بھی دے سکتے تھے مثلاً گناہ کرتے ہی ایسا درد پیدا ہوتا کہ بیقرار ہو جاتا لیکن یہ طریقہ بھی کافی نہ ہوتا۔ دیکھ لیجئے اگر باپ بیٹے کہ سزا دے تو وہ زاجر نہیں بخلاف اس کے کہ استاد یا غیر اس کو سزا دے کہ وہ کافی ہوتا ہے اس لئے سزا دینے کے لئے بھی ملائکہ کو مقرر فرمایا پس یہ ہے وہ مضمون جو میں نے اس مقرر نگرانِ اطفال (۳) کے قصہ سے سمجھا ہے جس پر بے ساختہ مجھ کو یہ شعر یاد آتا ہے۔

خوشتر آں باشد کہ سر دلبراں
گفتہ آید در حدیث دیگراں

''اچھا یہ ہوتا ہے کہ دوستوں کی باتیں دوسروں کی باتوں کے دوران بیان کردی جائیں''

## علماءِ محققین ہی نے مقاصدِ قرآن کو سمجھا ہے

پس یہ مضمون اولاً تو میرے ذہن میں اس قصہ سے وارد (۴) ہوا تھا مگر میں متجسس (۵) تھا کہ کسی آیت میں مل جاوے تو بہتر ہے غور کیا تو ان آیات میں اس کو پایا۔ چنانچہ ارشاد ہے: ﴿یَاَیُّھَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّکَ بِرَبِّکَ الْکَرِیْمِ﴾ (۶)

(۱) اور تم پر تمہارے سب اعمال یاد رکھنے والے معزز لکھنے والے مقرر ہیں جو تمہارے سب اعمال کو جانتے ہیں۔ (الانفطار: ۱۱-۱۲) (۲) اگر ہر وقت یہ خیال دل میں جم جائے (۳) یہ مضمون بچوں پر نگران مقرر کرنے سے سمجھ میں آیا (۴) آیا تھا (۵) مجھے تلاش تھی کہ کسی آیت میں مل جائے (۶) سورۃ الانفطار: ۶۔

’’یعنی اے انسان تجھ کو اپنے رب کریم کے ساتھ کس شے نے دھوکہ میں ڈال دیا ہے‘‘ بعض اہلِ حال کو یہ آیت سن کر حال طاری ہوگیا ہے اور انہوں نے جواب میں کہا ہے: ’’غَرَّنِیْ کَرَمُکَ‘‘ یعنی آپ کے کرم نے ہم کو مغرور کردیا ہے۔ علماءِ محققین نے اس پر انکار بھی کیا ہے لیکن ان کا انکار بھی بیجا نہیں‘ ان کا منصبی کام ہے اور حق یہی ہے کہ علماء محققین ہی نے مقاصدِ قرآن کو سمجھا ہے بلکہ انتظامِ شرع تو اس کو مقتضی (۱) ہے کہ محض ظاہری علماء کے علوم کو بھی محض صوفیاء کے علوم پر مقدم رکھا جاوے اور احادیث سے مطلقاً حضرات علماء کے مناقب مفہوم (۲) ہوتے ہیں۔

## شریعت کی حفاظت علماء حضرات سے وابستہ ہے

شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے زمانہ میں ایک عالم نے کسی صوفی کا رَد لکھا تھا شاہ صاحب کو جوش آیا اور ارادہ جواب لکھنے کا کیا‘ اسی وقت ان کو جناب رسول اللہ ﷺ کی روحانیت مکشوف ہوئی اور ان کو منع کیا‘ شاہ صاحب اس کو لکھ کر آگے لکھتے ہیں کہ مجھ کو زیادہ گوشۂ خاطر حضور ﷺ کا علماء کی طرف معلوم ہوا اور وجہ اس کی یہ ہے کہ شریعت کی حفاظت اور عالَم کے انتظام کا قیام ان ہی حضرات سے وابستہ ہے اور نرے صوفی آزاد ہوتے ہیں جو چاہتے ہیں کہہ اٹھتے ہیں جو لوگ اس کی حقیقت تک نہیں پہنچتے وہ گمراہ ہوتے ہیں اور جو صوفی علمِ شریعت نہیں رکھتے وہ تو خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں ایسے ہی لوگوں کے بارے میں مولانا فرماتے ہیں ؎

(۱) شریعت کا انتظام تو اس بات کا تقاضا کرتا ہے (۲) احادیث سے علماء کا بلند درجہ ہونا معلوم ہوتا ہے۔

ظالم آں قومیکہ چشماں دوختند     از سخنہائے عالم را سوختند
نکتہا چوں تیغ پولادا ست تیز     چوں نداری توسپرواپس گریز
پیش ایں الماس بے اسپر میا     کز بریدن تیغ را نبود حیا

''بڑے ظالم تھے وہ لوگ جنہوں نے آنکھیں بند کر کے ایسی باتوں سے ایک عالَم کو ویران کر دیا۔ بہت سے نکتے تلوار کی طرح تیز ہیں اور سپر سے مراد فہم یعنی اگر فہم نہ ہو تو دور رہو اس کے سامنے بدون سپر کے نہ آؤ کیونکہ ایمان اگر اس کے سامنے نہ پڑے گا یہ اس کو قطع کر دے گا''۔

## اہلِ حال پر انکار نہیں

خلاصہ یہ کہ علماء نے اس پر یہ انکار کیا ہے کہ جواب میں '' غَــرَّنِـــي كَرَمُكَ ''(۱) کہنا درحقیقت در پردہ (۲) اعراض ہے کیونکہ حق تعالیٰ کا اس مقام پر ''الکریم'' فرمانا اس لئے ہے کہ کرم تو غرور سے مانع ہونا چاہئیے۔ اس لئے کہ محسن کے کرم کو دیکھ کر زیادہ شکر ادا کرنا چاہئیے تو کرم تو مانع عن الغرور (۳) ہوا اور ان صاحب حال کے حال سے لازم آتا ہے کہ انہوں نے کرم کو حامل علی الغرور (۴) قرار دیا ہے گو مراد ان صاحبِ حال کی یہ نہ ہو پس علماء کا انکار اس معنی پر ہے اور حال پر انکار نہیں ہے۔ حال بالکل صحیح ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ یہ امر تو صحیح ہے کہ کرم فی الواقع مقتضی اسی کو ہے کہ کریم کی اطاعت اور خضوع وخشوع (۵) اور زیادہ ہو لیکن چونکہ ہماری عقول ناقص ہیں اس لئے ہم نے اس کا مقتضٰی برعکس سمجھا ہے چنانچہ

---

(۱) تیرے کرم نے ہمیں مغرور کر دیا (۲) پوشیدہ طور پر روگردانی ہے (۳) غرور سے روکنے والا ہوتا ہے (۴) غرور پر ابھارنے والا (۵) کرم کا تقاضا تو یہی ہے کریم کی فرمانبرداری اور اطاعت میں عاجزی اور زیادہ ہو۔

جس کے ساتھ کرم کیا جاتا ہے عادت یوں ہی ہے کہ اس کو ایک نازسا ہو جاتا ہے اسی واسطے کسی شاعر نے کہا ہے ع

کرم ہائے تو مارا کرد گستاخ
''تیرے کرم نے ہمیں گستاخ کردیا''

پس اس کے موافق ''غَرَّنِیْ کَرَمُکَ '' کے معنی یہ ہوئے کہ اے اللہ آپ کے کرم سے تو چاہئے تھا کہ ہم پگھلتے اور زیادہ انقیاد اور خضوع ہم میں پیدا ہوتا(۱) لیکن ہماری عقل الٹی ہے کہ جو سبب خضوع وخشوع کا تھا وہ ہمارے لئے سبب ناز اور غرور (۲) کا ہو گیا اور یہ مقصود نہیں ہے کہ کرم فی الواقع سبب غرور کا ہے گویا ''غَرَّنِیْ کَرَمُکَ '' سے ایک واقعہ بھی بتلا دیا کہ سبب ہماری غفلت اور غرور کا نقصانِ عقل کے سبب کرم ہے اور یہ بھی بتلا دیا کہ ایسا نہ ہونا چاہیئے۔ بہرحال ''غَرَّنِیْ کَرَمُکَ '' کے دو معمل ہیں ایک کے اعتبار سے اس کے معنی صحیح ہیں اور دوسرے کے اعتبار سے گستاخی اور بے ادبی ہے لیکن چونکہ لفظ موہم ہے اس لئے صحومین (۳) تو مطلقا یہ قابل احتراز ہے باقی صاحبِ سُکر معذور (۴) ہے اور منشا ایسے الفاظ کے صدور کا حالتِ سُکر میں غایتِ تعلق ہے۔(۵)

## غایتِ تعلق کا اثر

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جس وقت تک کسی قدر اجنبیت رہتی ہے اسی وقت تک تکلف رہتا ہے اور جب خصوصیت بڑھ جاتی ہے تو برتاؤ میں سادگی بڑھ

(۱) فرمانبرداری اور اطاعت گذاری ہم میں پیدا ہوتی (۲) جو سبب فرمانبرداری اور عاجزی کا تھا وہ سبب ناز اور غرور کا ہوگیا (۳) بے ہوشی سے ہوش میں آنا (۴) جس پر بے خودی کی حالت طاری ہو یعنی مجذوب ہو وہ معذور ہے (۵) جذب کی حالت میں ایسے الفاظ کا منہ سے نکل جانا قوی تعلق کی وجہ سے ہوتا ہے۔

جاتی ہے اور وہاں تکلف کرنا دلیل بے تعلقی کی سمجھی جاتی ہے دیکھو اللہ تعالیٰ سے چونکہ بیحد تعلق ہے اسی واسطے اس کے نام کے ساتھ القاب، آداب مثل جناب اور حضور کے نہیں بڑھاتے خالی ''اللہ'' کہتے ہیں۔ مدارس میں دیکھو امام اعظمؒ کو صرف ابوحنیفہؒ کہتے ہیں۔ کوئی ''مَوْلَانَا مُقْتَدَانَا'' نہیں بڑھاتا بلکہ اگر کوئی بڑھادے تو نازیبا معلوم ہوتا ہے۔

زعشق ناتمام ماجمال یار مستغنی است  بآب ورنگ وخال وخط چہ حاجت روئے زیبارا
دلِ فریبانِ نباتی ہمہ زیور بستند  دلبرما ست کہ حسنِ خدا داد آمد

''ہمارے نامکمل عشق سے دوست کا حکم بے پرواہ ہے۔ چمک، رنگ، ڈاڑھی میں کنگھے کی حسین چہرے کو ضرورت نہیں، نباتات کے محبوب نے سب زیور باندھے ہیں مگر ہمارا محبوب تو حسنِ خداوند رکھتا ہے''

امام صاحبؒ کی علوِ شان اس سے مستغنی ہے کہ ان کو کوئی مولانا یا مولوی لکھے سب سے بڑھ کر حق تعالیٰ ہیں ان کے ساتھ دیکھو مخلوق کا کیا برتاؤ ہے۔ جب کہتے ہیں اللہ میاں مینہ برسادے، اللہ میاں رزق دیدے ہاں جن پر ادب کا غلبہ ہوا ہے وہ البتہ ایسے کلمات سے احتراز کرتے ہیں۔

## حق تعالیٰ شانہٗ کے لئے جمع کا صیغہ استعمال کرنا

مجھے یاد ہے کہ میرے استاد جناب مولانا محمد یعقوب صاحبؒ تفسیر پڑھاتے ہوئے حق تعالیٰ کے لئے مفرد کے الفاظ استعمال نہیں فرماتے تھے مثلاً کہتے تھے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔ سنتے سنتے مجھے بھی عادت ہوگئی۔ بعض لوگ اس

پر یہ شبہ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لئے جمع کے صیغہ کا استعمال تعدد کا توہم (۱) ہے اس لئے توحید ظاہر کرنے کے لئے مفرد کا صیغہ بولنا چاہیے۔ بات یہ ہے کہ جمع کا صیغہ تعظیم کے لئے خود قرآن مجید میں موجود ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

﴿اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ ' اِنَّا اَرْسَلْنَا﴾ وغیرہا' شاید یہ خیال ہو کہ غیر متکلم میں کہیں نہیں آیا۔ ایک موقعہ پر خطاب میں بھی آیا ہے۔ ارشاد ہے: ﴿رَبِّ ارْجِعُوْنِ لَعَلِّیْ اَعْمَلُ صَالِحًا﴾ (۲) بعض مفسرین نے کہا ہے کہ معنی اس کے تکرار کے ہیں ''رَبِّ ارْجِعْنِیْ رَبِّ ارْجِعْنِی'' اس تکرار کو ایک صیغہ میں جمع کر دیا ہے مگر یہ محض تکلف ہے اقرب مفسرین کا دوسرا قول ہے کہ حق تعالیٰ مخاطب ہیں اور جمع تعظیم کی وجہ سے ہے۔ بہرحال توحید کا مقتضیٰ تو یہی ہے کہ مینہ برسادے کہا جاوے اور تعظیم اس کو چاہتی ہے کہ برسادو کہا جاوے دونوں باتیں جائز ہیں ع

وللناس فيما يعشقون مذاهب (۳)

## حضور ﷺ کے لئے صیغہ واحد کا استعمال موہم بے ادبی ہے

باقی جناب رسول اللہ ﷺ کی شان میں چونکہ اس قدر بے تکلفی نہیں' اس لئے ہماری زبان میں مفرد کا صیغہ جو موہم (۴) بے ادبی ہے کوئی استعمال نہیں کرتا۔ اسی لئے کسی نے کہا ہے ع

باخدا دیوانہ باش و با محمدؐ ہوشیار

''اللہ تعالیٰ سے دیوانہ ہو اور محمد ﷺ سے ہوشیار''

لیکن دیوانہ باش کا یہ مطلب نہیں کہ گستاخی تک نوبت پہنچ جائے۔ بعضے

(۱) جمع کا صیغہ استعمال کرنے سے یہ وہم ہوتا ہے کہ شاید یہ کئی خدا سمجھتا ہے (۲) سورۃ المؤمنون: آیت ۱۰۰ (۳) لوگوں کا اپنا اپنا ذوق ہے (۴) جس سے بے ادبی کا وہم ہوتا ہے۔

لوگ بقصد ایسی باتیں کرتے ہیں کہ جن سے حق تعالیٰ کی شان میں بے ادبی ہوتی ہے، بہت بچنا چاہیئے۔ اہلِ حال کی تقلید نہ کرنا چاہیئے اس لئے کہ وہاں حال تو ہے تمہارے اندر کون سا حال ہے تمہاری وہی مثل ہوگی۔ ع

آنچہ مردم میکند بوزینہ ہم (۱)

ناز را روئے بباید ہمچو درد چوں نداری گرد بد خوئی مگرد
زشت باشد چشم نابینا وباز عیب باشد روئے نازیبا وناز
پیشِ یوسف نازش وخوبی مکن جز نیازو آہ یعقوبے مکن

''ناز کے لئے گلاب جیسے چہرہ کی ضرورت ہے اگر تم ایسا حسین چہرہ نہیں رکھتے تو بدخوئی تو نہ کرو، جیسے نابینا آنکھ کے لئے خوبصورت چشمہ برا ہے اور بدصورت چہرہ کے لئے ناز ونخرہ برا ہے، یوسف علیہ السلام جیسے حسین کے سامنے اپنے ناز اور خوبی کا اظہار نہ کرو ان کے سامنے تو سوائے نیاز اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی آہ کی طرح اور کچھ نہ کرو''

## اہلِ حال کی تقلید کرنا گستاخی ہے

غرض ناز کرنا اور اہلِ حال کی تقلید کرنا جبکہ حال کا کوئی اثر قلب میں نہ ہو سخت گستاخی اور بے ادبی ہے باقی بے تکلفی دوسری بات ہے وہ ہر مومن کو اپنے خالق کے ساتھ ہے مخلوق سے خواہ کسی قسم کا علاقہ ہو۔ مگر پھر بھی ایک حجاب ہوتا ہے اور خالق تعالیٰ شانہٗ سے جو تعلق ہے اس میں کچھ بھی حجاب نہیں ہے اور یہ تعلق کسی مخصوص شخص کو نہیں سب ہی کو ہے۔ حتیٰ کہ گنواروں کو بھی ہے چنانچہ ہم نے مکہ معظّمہ میں ایک سقہ سے سنا ہے کہ یہاں بدوی آتے ہیں طواف کرتے ہیں، پھر دعا

(۱) انسان کو دیکھ کر بندر بھی ویسی ہی حرکتیں کرتا ہے۔

کرتے ہیں "اے اللہ بخش دے اور ضرور بخشے گا اور کیا وجہ ہے کہ نہ بخشے گا" غرض وہ خوب سر ہوکر اللہ سے مانگتے ہیں اللہ تعالیٰ بھی ایسی دعا کرنے والوں کو چاہتے ہیں چنانچہ حدیث میں ہے: (اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُلْحِیْنَ فِی الدُّعَاءِ) "بیشک اللہ چاہتا ہے ان لوگوں کو جو دعا میں اصرار کرنے والے ہیں"۔ لیکن یہ یاد رہے کہ وہ بدوی چونکہ جاہل ہیں اس لئے ان کا اس طرح کہنا عفو ہے باقی جو آداب و حدود سے واقف ہیں وہ جان کر اس طرح سے کہیں گے تو گردن ناپی جاوے گی اُن کا الحاح(۱) ادب کے ساتھ ہونا چاہئیے اور اس کا اثر خود ہمارے برتاؤ میں بھی ظاہر ہے۔ دیکھو نادان بچہ باپ کے ساتھ کیسی ضد کرتا ہے کبھی اس کے اوپر چڑھتا ہے کبھی جیب میں ہاتھ ڈالتا ہے اور باپ کو پیارا معلوم ہے اور جو داڑھی والا بیٹا ہے وہ اگر خلاف ادب ایک کلمہ بھی کہہ دے تو کیسا ناگوار ہوتا ہے۔ اور اس کو سزا دی جاتی ہے۔ غرض حق تعالیٰ کے ساتھ ہر ایک کو ایک بے تکلفی ہے وہ جناب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس قدر نہیں ہے اس لئے کہ اول تو حق تعالیٰ کے ساتھ جو تعلق ہے وہ فطری ہے اور حضور ﷺ کے ساتھ جو علاقہ ہے وہ مکتسب (۲) ہے اور دوسرے یہ ہے کہ حضور ﷺ بشر ہیں اور متاثر ہونے والے ہیں قلت ادب سے متاذی (۳) ہو سکتے ہیں۔ اس لئے حضور ﷺ کی بارگاہ عالی محبت و تعلق کے ساتھ نہایت ادب کو مقتضی بھی ہے اور حق تعالیٰ واجب الوجود ہیں انفعال اور تاثر سے منزہ (۴) ہیں ان کو کسی کے ادب یا بے ادبی سے کوئی اثر نہیں ہوتا اور اسی واسطے حق تعالیٰ نے اپنے دربار کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں فرمایا جب چاہو آؤ اور اللہ تعالیٰ کو پکارو، یاد کرو۔

---

(۱) ان کی فریاد ادب سے ہونی چاہئے (۲) خود پیدا کردہ ہے (۳) ادب میں کمی سے آپ کو تکلیف ہو سکتی ہے (۴) متاثر ہونے سے پاک ہیں۔

## حضور اکرم ﷺ کے پکارنے کے آداب

اور حضور ﷺ کے بارہ میں ارشاد ہے: ﴿یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ اِلَّا اَنْ یُّؤْذَنَ لَکُمْ﴾(۱) ”یعنی اے ایمان والو! نبی (ﷺ) کے دولت خانوں میں بلا اجازت مت جاؤ“۔ آگے اس کی علّت ارشاد ہوتی ہے ﴿اِنَّ ذٰلِکُمْ کَانَ یُؤْذِی النَّبِیَّ﴾(۲) اس لئے کہ یہ بات نبی (ﷺ) کو تکلیف دینے والی ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے لئے کسی القاب آداب کی بھی ضرورت نہیں جس طرح چاہو پکارو' چنانچہ نرا نام پاک اللہ اللہ پکارتے ہیں کہتے ہیں کہ اللہ ایسا ہے' اے اللہ پانی برسادے' اللہ رزق دیدے۔ اور حضور ﷺ کے پکارنے کے آداب ہیں۔

## حضور ﷺ سے زیادہ ادب کا منشاء

چنانچہ حدیث میں قصہ وارد ہے کہ ایک اعرابی آیا' حضور ﷺ دولت خانہ میں تشریف فرماتھے اور اس نے باہر سے آکر پکارنا شروع کیا: ”یا محمد ﷺ' یا محمد ﷺ“ حضور ﷺ کو تکلیف ہوئی اور اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ مِنْ وَّرَاءِ الْحُجُرَاتِ اَکْثَرُھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ وَلَوْ اَنَّھُمْ صَبَرُوْا حَتّٰی تَخْرُجَ اِلَیْھِمْ لَکَانَ خَیْرًا لَّھُمْ﴾(۳) ”یعنی جو لوگ آپ کو حجروں کے پیچھے سے پکارتے ہیں ان میں اکثر بے عقل ہیں اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ خود ان کے پاس تشریف لاتے تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا“۔ اس آیت میں ادب بارگاہ نبوی (ﷺ) تعلیم کیا گیا کہ حضور ﷺ

---

(۱) سورۃ الاحزاب:۵۳ (۲) سورۃ الاحزاب:۵۳ (۳) سورۃ الحجرات:۴۔۵۔

دولت خانہ کے اندر تشریف رکھتے ہوں تو پکارنا اور بلانا بے ادبی ہے، چاہئیے کہ صبر کرو جب حضور ﷺ خود دولت کدہ سے برآمد ہوں اس وقت جو چاہو عرض کرلو یہاں سے ظاہر بینوں کو یہ شبہ ہوگا کہ اس سے یہ معلوم ہوا کہ جناب رسول اللہ ﷺ کا ادب حق تعالیٰ سے زیادہ کرنا چاہئیے اور ادب کا مبنی ہے عظمت چنانچہ جس کی عظمت ہمارے دل میں زیادہ ہوتی ہے اس کا ادب زیادہ کرتے ہیں۔ تو (نَعُوذُ بِاللّٰہِ) کیا حضور ﷺ حق تعالیٰ سے عظمت میں زیادہ ہیں؟ بات یہ ہے کہ حضور ﷺ کے لئے زیادہ ادب کا منشاء آپ کا بشر اور مخلوق ہونا، ممکن ہونا ہے کہ کبھی ایسا نہ ہو ادب و تعظیم کے اندر کچھ کمی ہو اور آپ کو اس سے تکلیف ہو اور اس سے ان لوگوں کا ایمان تباہ ہوجائے اور حق تعالیٰ متاثر نہیں پھر عظمت کے ایسے مرتبہ میں ہیں کہ ان کو کسی کے آداب والقاب کی ضرورت نہیں ہے صرف نام پاک اللہ خود دال ہے عظمت پر اور نیز علاقہ کا حق تعالیٰ کے ساتھ اتنا قوی ہونا کہ اس کے ہوتے ہوئے تکلف کے القاب وآداب اس کے نام پاک کے ساتھ لانا مغائرہ (۱) اور بے ادبی ہے الحاصل حق تعالیٰ کے ساتھ ہر شخص کو بے حد تعلق ہے اور اسی بنا پر بے تکلفی ہے اور اس غایت بے تکلفی کی وجہ سے اس قدر ناز ہوگیا کہ وہ کم فہموں میں بے ادبی کے درجہ کو پہنچ گیا اور اس خصوصیت اور بے تکلفی کا اثر ہم میں یہ ہوگیا ہے کہ خدا کے دیکھتے ہوئے اگر خلوت میں گناہ کرتے ہیں تو نہیں شرماتے اور دوسرے لوگوں کے سامنے شرماتے ہیں حالانکہ جانتے ہیں کہ حق تعالیٰ عالم الغیب والشہادۃ ہے۔ پس اس لئے اللہ تعالیٰ نے ایک مخلوق کو ہم پر مسلط کردیا ہے کہ وہ ہمارے اعمال کو دیکھتے ہیں اور لکھتے ہیں اور پھر اس کی ہم کو اطلاع بھی کردی۔

---

(۱) اللہ کے ساتھ شدید تعلق ہونے کی وجہ زیادہ آداب والے الفاظ استعمال کرنا بے ادبی ہے۔

## کراما کاتبین صفت ہے

چنانچہ ارشاد ہے: ﴿اِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ﴾ (۱) ''بیشک تم پر نگہبان مسلط ہیں جو کریم الذات ہیں اور لکھنے والے ہیں، جانتے ہیں وہ شے جو تم کرتے ہو'' اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ''كِرَامًا كَاتِبِيْنَ'' ان کا نام نہیں ہے جیسا کہ عوام میں مشہور ہے بلکہ ان کی یہ صفت ہے اور اس صفت کا یہ بھی اثر ہے کہ وہ مخلوق کریم کسی سے کہتے نہیں، صرف لکھنے والے اس سے شبہ ہوسکتا تھا کہ شاید وہ لکھتے ہوں لیکن ہمارے کرتوت کی ان کو خبر نہ ہو، پریس کی طرح کوئی شے ان کے پاس ہوگی کہ جب کوئی عمل ہم سے ہوا اور وہاں منطبع ہوگیا۔ اس کا جواب دیتے ہیں ﴿ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ﴾ ''جو کچھ کرتے ہو اور وہ اس کو جانتے بھی ہیں''۔ صاحبو! اگر یہ مضمون پیش نظر ہوجاوے کہ فرشتے ہمارے اعمال کو دیکھ رہے اور لکھ رہے ہیں، واللہ! کوئی گناہ نہ ہو۔

## شرم کا مبنیٰ

بڑے شرم کی بات ہے کہ ایک پاک مخلوق جو کہ ہماری جنس بھی نہیں مگر ذی شعور و ذی عقول ہیں (۲) ہماری نافرمانیاں اور ناپاکیاں دیکھے اور لکھے اور بالخصوص غیر قوم جو ہمارے ہم جنس نہیں ہیں ان سے تو اور بھی زیادہ شرمانا چاہیئے۔ دیکھو اگر ہم پر کسی غیر قوم کی حکومت ہوتی ہے تو ہم کو بہ نسبت اپنی قوم کے ان سے زیادہ خوف ہوتا ہے، یہ تو آیت کا حاصل ہوا اور جو مبنیٰ شرم (۳) کا اس آیت کی تقریر میں بیان کیا گیا ہے یعنی مخلوق کو اطلاع ہونا ہمارے اعمال کی، اس کی تقویت کے

(۱) سورۃ الانفطار: ۱۰۔۱۲ (۲) عقل و شعور رکھتے ہیں (۳) جو شرم کی بنیاد اس آیت میں ذکر کی گئی۔

لئے اور بھی بعض مخلوقات کے ہمارے اعمال پر مطلع ہونے کا مضمون بیان کیا جاتا ہے کہ اور بھی ایک دوسرے جماعت ہے جو ہمارے افعال پر مطلع ہوتی ہے۔

چنانچہ شرح الصدور میں احادیث نقل کی ہیں کہ مُردوں پر ہمارے اعمال پیش ہوتے ہیں یہ بھی بڑے شرم کی بات ہے کہ ہمارے باپ' دادے' بھائی' خویش واقارب جو برزخ میں پہنچ گئے ہیں ان کو ہمارے کرتوت کی اطلاع ہو اور تیسری ایک مخلوق اور ایسی ہی ہے اور وہ نباتات' جمادات' حیوانات ہیں کہ ان کو بھی ہمارے گناہوں کی اطلاع ہوتی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: ﴿ یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ﴾(۱) ''اس دن (یعنی قیامت کے دن) زمین اپنی خبریں بیان کرے گی'' کہ مجھ پر فلاں شخص نے فلاں وقت میں فلاں گناہ کیا تھا۔

## کشف کوئی مطلوب شئے نہیں

اور حدیث میں آیا ہے کہ قبر میں جو مُردوں کو عذاب ہوتا ہے سوا جن و انس کے اس کا سب کو ادراک (۲) ہوتا ہے' اور حدیث میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ گھوڑے پر سوار تھے' قبرستان میں گذر ہوا' گھوڑا بدکا' آپ نے فرمایا: کہ مردوں کو قبر میں عذاب ہو رہا ہے' گھوڑے کو اس کا انکشاف ہوا ہے۔ یہاں سے ایک اور بات بھی سمجھنا چاہئیے کہ بہت لوگ کشف کے طالب ہوتے ہیں۔ اس قصہ سے معلوم ہوا کہ کشف کوئی شئے مطلوب نہیں ہے اس لئے کہ اس میں جانور بھی شریک ہیں اور جانور تو جانور شیطان کو بھی کشف ہوتا ہے چنانچہ قرآن شریف میں د غزوۂ بدر کے قصہ میں آیا ہے کہ شیطان کفار کے ساتھ آیا جب مسلمانوں کا لشکر نظر آیا تو پیچھے ہٹ گیا۔

(۱) سورۃ الزلزال: ۴ (۲) سب کو اس کا پتہ چلتا ہے

چنانچہ ارشاد ہے: ﴿وَلَمَّا تَرَاءَ تَ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰی عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّیْ بَرِیْءٌ مِّنْكُمْ اِنِّیْ اَرٰی مَالَا تَرَوْنَ﴾(۱) ''جس وقت کافروں اور مسلمانوں کی دونوں جماعتوں نے ایک دوسری کو دیکھا تو شیطان الٹے پاؤں ہٹا اور کہا کہ میں وہ شے دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے''۔ اس کی تفسیر میں آیا ہے کہ اس غزوہ میں حضور ﷺ کی نصرت کے واسطے پانچ ہزار فرشتے آئے تھے اور شیطان کو نظر آئے اس لئے وہ بھاگ گیا اور جو حضور ﷺ کے ساتھ میں بڑے بڑے صحابہؓ تھے ان میں اکثر کو فرشتے نظر نہیں آئے۔ معلوم ہوا کہ کشف کوئی کمالِ مقصود نہیں، عبادت اور مجاہدہ وریاضت سے اگر کسی کو یہ کشف ہی مطلوب ہو تو وہ بڑی غلطی میں ہے۔

## نافرمانی کا اثر

بہرحال ہمارے گناہوں کی اطلاع ان سب کو ہوتی ہے۔ ایک اطلاع بطور اثر کے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک بزرگ کہتے ہیں کہ جس دن میں نافرمانی کرتا ہوں اس روز گھوڑا مشکل سے سواری دیتا ہے اور سب سے زیادہ قابل شرم بات یہ ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ پر ہمارے نامۂ اعمال پیش ہوتے ہیں۔ آپ کو ہمارے اعمال سیئہ (۲) سے کیسا رنج ہوتا ہوگا اس لئے کہ حضور ﷺ کو ہمارے حال پر بیحد شفقت ہے تمام عمر حضور ﷺ کی ہمارے ہی غم میں صرف ہوئی ہے۔ افسوس ہے کہ ہم اب بھی ایسی حرکات کریں کہ جس سے حضور ﷺ کو اذیت پہنچے۔

(۱) سورۃ الانفال: ۴۸ (۲) برے اعمال سے۔

## حکایت مرزا قتیل

مجھے یہاں مرزا قتیل کا قصہ یاد آیا۔ مرزا قتیل شاعر تو ہے ہی اور اس کے کلام میں تصوف کا رنگ بھی ہے کسی صاحبِ دل کو ان کا کلام دیکھ کر ان کے ساتھ اعتقاد ہو گیا اور ان کے ملنے کے لئے سفر کیا جب ان کے وطن میں آیا تو دیکھا کہ مرزا صاحب بیٹھے ہوئے ڈاڑھی منڈوا رہے ہیں۔ ان بزرگ کو بہت افسوس ہوا کہ میں نے ناحق ہی اتنا لمبا سفر کیا یہ شخص تو ضروریات دین کا بھی پابند نہیں ہے لیکن جی میں آیا کہ اس کو امر بالمعروف (۱) کرنا چاہئیے یہ سوچ کر کہا کہ ''آغا ریش می تراشی''(۲) مرزا بولے اور بزعمِ خود تصوف کے قاعدہ پر بولے ''بلے ریش می تراشم ولے دل کسے نمے خراشم''(۳) ان بزرگ نے کہا ''بلے دلِ رسول اللہ (ﷺ) مے خراشی'' (۴) مرزا قتیل گو رند تھا لیکن اہل دل تھا یہ سن کر آنکھیں کھل گئیں ایک آہ بھر کر بیہوش ہو گیا اور ان بزرگ کے ہاتھ چومتا تھا اور بزبانِ حال کہتا تھا ؎

جزاک اللہ کہ چشم باز کردی
مرا با جانِ جاں ہمراز کردی

''اللہ تعالیٰ تم کو جزائے خیر عطا فرمائیں کہ تو نے میری آنکھیں کھول دیں اور مجھے محبوب حقیقی سے ہمراز کر دیا''۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے گناہوں کی اطلاع بجز ہمارے اور بہت مخلوق کو ہے اور اس کی ہم کو خبر بھی دیدی گئی ہے تا کہ ہم شرماویں‘ مگر ہم لوگوں کی یہ حالت ہے

---

(۱) اس کو اچھائی کا حکم کرنا چاہیے (۲) آغا ڈاڑھی کتراتے ہو (۳) ہاں میں ڈاڑھی کتراتا ہوں کسی کا دل نہیں دکھاتا (۴) ہاں لیکن رسول اللہ ﷺ کے دل کو تکلیف پہنچاتے ہو کیونکہ تمہارے اعمال آپ ؐ پر پیش ہوتے ہیں اور آپ ؐ کو تمہارا ڈاڑھی کاٹنا معلوم ہو کر تکلیف ہوتی ہے۔

کہ اس پر بھی ہم کو شرم نہیں آتی ہاں جن حضرات پر توحید کا غلبہ ہے ان کی نظروں سے تو تمامی مخلوقات کا وجود ہی مرتفع ہوگیا ہے ان کی پیش نظر تو ہر وقت عظمتِ حق ہے ۔

چوسلطان کہ عزت علم برکشد جہاں سر بجیب عدم درکشد
ہمہ ہرچہ ہستند ازاں کمتر اند کہ باہستیش نام ہستی برند

''جب بادشاہ ظلم کرنا شروع کرتا ہے دنیا کو عدم کے گریبان میں کھینچ دیتا ہے سب جو کچھ بھی ہیں، اس سے کمتر ہیں کہ اس کے ساتھ زندگی کا نام اونچا ہے''

وہ تو یہ کہتے ہیں: '' واللہ ماسمت الاعیان راتحته الوجود '' بس البتہ وہ عظمتِ حق کے سامنے ہر وقت شرم سے گڑے جاتے ہیں مرے جاتے ہیں اور اسی کا مشاہدہ ان کے لئے '' مانع من العصیان والمخالفة ''(۱) ہوجاتا ہے بات یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے سب طرح کے نسخے بیان فرمادیئے ہیں کسی کو کچھ نافع ہے۔ کسی کو کچھ ایسا مطلب ہے کہ جس سے کوئی محروم نہیں ہے۔ بعض تو وہ تھے جن کو علمِ الٰہی سے تأثر ہوتا ہے ان کے لئے تو یہی کافی ہے، ان کے لئے تو یہ ارشاد ہے: ﴿مَاغَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ الخ ﴾ بعض کو اس سے اثر ہوتا ہے کہ فرشتے دیکھ رہے ہیں۔ ان کے لئے یہ ارشاد ہے: ﴿وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِيْنَ الخ ﴾ بعض وہ ہیں جو جزا و سزا ہونے سے خائف ہیں: ان کے لئے ارشاد ہوا: ﴿اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ وَّاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ ﴾(۲) اب یہاں پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ فرشتے تو ہر وقت ساتھ نہیں رہتے۔ چنانچہ جب پائخانہ میں جاتے ہیں تو فرشتے علیحدہ

(۱) گناہوں اور کشیدگی سے بچنے کا سبب (۲) سورۃ الانفطار: ۶۔۱۴۔

ہوجاتے ہیں اور نیز مُردوں کو بھی ضروری نہیں ہے کہ ہر وقت علم ہو۔ اس لئے اس[۱] کی ہم کو یہ بھی خبر دیدی کہ قیامت کے دن جبکہ تمام اوّلین وآخرین جمع ہوں گے وہاں اعلان کیا جاوے گا' کما قال تعالیٰ: ﴿وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ﴾[۲] غرض جو مخلوق گناہوں کے جاننے سے باقی رہ گئی تھی وہ سب وہاں دیکھیں گے اور سنیں گے۔ اب آخرت کی نسبت شبہ ہوسکتا ہے کہ وہ بہت دور ہے۔

## آخرت کے دو درجے

بات یہ ہے کہ آخرت کے دو درجے ہیں زمانِ آخرت اور مکانِ آخرت' سو زمانِ آخرت بھی گو کچھ دور تو نہیں ہے لیکن خبر اس کی نسبت بعید ہونے کا گمان ہوسکتا ہے لیکن مکانِ آخرت تو بالفعل ہی موجود ہے اس لئے اس آسمان دنیا سے آگے مکانِ آخرت ہی ہے۔ تو اگر ذہن میں یہ مضمون جمالو کہ چھت پر گویا ایک کثیر مخلوق ہم کو دیکھ رہی ہے تو یہ مراقبہ بھی انشاء اللہ گناہ سے بچنے کے لئے کافی ہوگا۔ اور آسمان کے چھت ہونے میں کوئی شبہ ہی نہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے: ﴿وَهُوَ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً﴾[۳] غرض یہ ہے کہ جس طرح ہوسکے گناہ سے بچو۔

### دعاءِ خاتمہ

اب اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ حق تعالیٰ ہم سب کو گناہوں سے بچائے آمین۔[۴]

---

(۱) اور اس جواب سے یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ پائخانہ کے وقت کے اعمال پر مطلع نہ ہونا فرشتوں کا تسلیم کرلیا گیا ہے بلکہ یہ جواب تو آخر جواب ہے' باقی اس وقت کے اعمال پر بھی فرشتے مطلع ہوجاتے ہیں اب یہ کہ کیونکر مطلع ہوجاتے ہیں سو حق تعالیٰ کسی طریق سے مطلع فرمادیتے ہیں۔۱۲ منہ (۲) سورۃ ھود: ۱۸ (۳) اور جس نے تمہارے لیے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا سورۃ البقرۃ: ۲۲ (۴) اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس وعظ سے فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ خلیل احمد تھانوی۔

# الافتضاح

## (اظہارِ گناہ پر ندامت)



| نمبر شمار | عنوان | صفحہ نمبر |
|---|---|---|
| ۱ | خطبۂ ماثورہ | ۳ |
| ۲ | انتخابِ آیات کی وجہ | ۳ |
| ۳ | ہماری کوئی ساعت گناہ سے خالی نہیں | ۴ |
| ۴ | قانونِ شریعت اللہ کی بڑی رحمت ہے | ۴ |
| ۵ | حق تعالیٰ شانہ کے لامحدود احسانات | ۵ |
| ۶ | شریعت اور عقل | ۷ |
| ۷ | قویٰ بہیمیہ اور قویٰ ملکیہ میں کشاکشی | ۷ |
| ۸ | یزید پر لعنت کرنے کا حکم | ۸ |
| ۹ | شیطان، نفس اور روح کی کشاکشی | ۹ |
| ۱۰ | اصلی آثار | ۱۰ |
| ۱۱ | حکایت حضرت مولانا رفیع الدین صاحبؒ | ۱۱ |
| ۱۲ | ذکر جہر میں شبہ ریا کا جواب | ۱۱ |
| ۱۳ | انسان کے اندر ہر شئے کا نمونہ | ۱۱ |
| ۱۴ | خود کو مقدس سمجھنا دھوکہ ہے | ۱۲ |
| ۱۵ | گناہوں سے بچنے کی اہتمام کی ضرورت | ۱۳ |

| | | |
|---|---|---|
| ۱۶ | گناہوں سے بچنے کا طریق | ۱۳ |
| ۱۷ | حقیقتِ تصوف | ۱۴ |
| ۱۸ | پختگی مدّتوں کے بعد حاصل ہوتی ہے | ۱۵ |
| ۱۹ | نِرا علم کافی نہیں | ۱۶ |
| ۲۰ | وعظ کا اصل مقصود | ۱۷ |
| ۲۱ | گناہ چھوڑنے کے طریقے | ۱۸ |
| ۲۲ | خصوصیت اور تعلق زیادہ ہونے کا اثر | ۱۹ |
| ۲۳ | ایک عجیب وغریب علم | ۲۰ |
| ۲۴ | علّت سے متعلق ہمارا مذہب | ۲۱ |
| ۲۵ | بندوں کے ناز کا سبب | ۲۱ |
| ۲۶ | محبت کا مدار دیکھنے پر نہیں | ۲۱ |
| ۲۷ | حق تعالیٰ شانہٗ کا غایتِ قرب | ۲۳ |
| ۲۸ | اعمال لکھنے کے لئے فرشتوں کے مقرر کرنے کا سبب | ۲۳ |
| ۲۹ | علماءِ محققین ہی نے مقاصدِ قرآن کو سمجھا ہے | ۲۴ |
| ۳۰ | شریعت کی حفاظت علماء حضرات سے وابستہ ہے | ۲۵ |
| ۳۱ | اہلِ حال پر انکار نہیں | ۲۶ |
| ۳۲ | غایتِ تعلق کا اثر | ۲۷ |
| ۳۳ | حق تعالیٰ شانہٗ کے لئے جمع کا صیغہ استعمال کرنا | ۲۸ |
| ۳۴ | حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے واحد کا استعمال موہم بے ادبی ہے | ۲۹ |

| | | |
|---|---|---|
| ۳۵ | اہل حال کی تقلید کرنا گستاخی ہے | ۳۰ |
| ۳۶ | حضور اکرم ﷺ کے پکارنے کے آداب | ۳۲ |
| ۳۷ | حضور ﷺ سے زیادہ ادب کا منشاء | ۳۲ |
| ۳۸ | کراماً کاتبین صفت ہے | ۳۴ |
| ۳۹ | شرم کا مبنیٰ | ۳۴ |
| ۴۰ | کشف کوئی مطلوب شئے نہیں | ۳۵ |
| ۴۱ | نافرمانی کا اثر | ۳۶ |
| ۴۲ | حکایت مرزا قتیل | ۳۷ |
| ۴۳ | آخرت کے دو درجے | ۳۹ |
| ۴۴ | دعائے خاتمہ | ۳۹ |